مجالس خدام الاحمدیہ روحِ خدمت اور انصار اللہ روحِ تربیت کے ماتحت اپنے پروگراموں کی طرف متوجہ ہوں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶؍مئی ۱۹۶۹ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

❁❁❁

☆ نماز باجماعت ادا کرنا اسلامی عبادت کی روح سے تعلق رکھتا ہے۔

☆ روحانی سستی ربوہ میں ہو یا باہر برداشت نہیں کی جاسکتی۔

☆ اہلِ ربوہ کو چوکس اور بیدار ہونا چاہئے۔

☆ ربوہ کے متعلق نظارت امور عامہ اور اصلاح وارشاد سے رپورٹ آنی چاہئے۔

☆ ربوہ میں قادیان کی طرح محبتِ الٰہی کا وہ رنگ پوری طرح نظر نہیں آتا۔

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

جو مضمون میں نے اپنے گزشتہ چند خطبات میں شروع کیا تھا اس مضمون سے ہٹ کر آج میں بعض باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ اگلے جمعہ سے اس تسلسل میں میرے خطبات شروع ہو جائیں گے۔

پہلی بات آج میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اہل ربوہ کا ایک حصہ مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں پھر سست ہو گیا ہے۔ نماز باجماعت ادا کرنا اسلامی عبادت کی روح سے تعلق رکھتا ہے اور عبادت کی روح مختلف شکلوں میں اس دنیا میں قائم کی گئی ہے۔ نماز (جس طرح ہم مساجد میں ادا کرتے ہیں) میں روحِ عبادت کی ایک ظاہری شکل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ قانون بنایا ہے کہ نہ روح جسم کے بغیر کام کر سکتی ہے اور نہ جسم میں روح کے بغیر زندگی کے آثار پائے جا سکتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے ہمیں آئندہ کے متعلق جو خبریں دی ہیں ان میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس جسم سے جدا ہونے کے بعد ہماری روح کو دو جسم دو مختلف اوقات میں عطا کئے جاتے ہیں۔ ایک جسم تو عارضی برزخ کے زمانہ کا جسم ہے یعنی روحِ انسانی کو عارضی طور پر اس زمانہ میں اس نئے جسم میں رکھا جاتا ہے اور جس دن حشر ہوگا قیامت آئے گی انسانی روح کو وہ جسم عطا کیا جائے گا جس کے نتیجہ میں اور جس کی وجہ سے ہماری روح اور ہماری زندگی اس دنیا میں وہ تمام احساسات رکھے گی جو اس دنیا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان لذتوں اور سرور (اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کی آگ) کا احساس بھی رکھے گی جن کا تعلق اس زندگی کے ساتھ ہے۔ جس طرح اس جسم اور روح کا آپس میں تعلق ہے اسی طرح ہماری عبادتوں کے ان حصوں کا جو حقوق اللہ کہلاتے ہیں اور ہماری عبادتوں کے ان حصوں کا بھی جو حقوق العباد کہلاتے ہیں ایک روح اور جسم سے تعلق ہے۔

جب قومیں گرتی ہیں تو وہ چھلکے پر ہاتھ مارتی اور اس پر خوش ہو جاتی ہیں یعنی ظاہری شکل انہیں خوش کرنے لگتی ہے اور وہ اسی کو سب کچھ سمجھنے لگ جاتے ہیں روح بیچ میں سے غائب ہو جاتی ہے۔ وہ چھلکا مغز سے خالی ہوتا ہے اور ایک سست اور بے عمل فلسفی سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اس کو کافی سمجھتا ہے۔ یعنی ایک فلسفیانہ دماغ بعض دفعہ سمجھتا ہے کہ روح کافی ہے جسم کی ضرورت نہیں لیکن یہ اس سنّت کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جاری کی ہے۔ جسم کا ہونا بھی ضروری ہے اور روح کا ہونا بھی ضروری ہے اور جب تک یہ دونوں چیزیں جمع نہ ہوں اس وقت تک نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ جس کے اس ضمن میں یہ معنی ہوں گے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہوسکتا اگر محض یہ خیال ہو کہ روحِ عبادت قائم رکھنی چاہئے جسم کی ضرورت نہیں یا ظاہر کی پابندی کی جائے اور اس کے پیچھے روح نہ ہو تو ان ہر دو صورتوں میں یہ خدا کی نگاہ میں ایک لغو فعل ہوگا۔

پس یہ نماز جو ہم مساجد میں جمع ہو کر ادا کرتے ہیں۔ یہ اسی صلوٰۃ کی ظاہری شکل اور اس روحِ عبادت کا جسم ہے جو روح عبادت کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ پس جہاں ہمیں روح کی ضرورت ہے وہاں جسم اور ظاہری شکل کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر میرے نزدیک روح کی موجودگی کا دعویٰ باطل ہوگا۔

ایک زندہ جماعت اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کی طرف منسوب ہونے والے صرف دعویٰ کے طور پر اور لفظاً اس کی طرف منسوب ہوں مگر حقیقتاً وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی جماعت اور اُمت مسلمہ سے کئے ہیں اور جن کا پورا کرنا ضروری ہے یہ روحانی سستی ربوہ میں ہو یا باہر کی جماعتوں میں برداشت نہیں کرنی چاہئے جب بھی ہمیں کسی جگہ ذرا سی سستی بھی نظر آئے ہمیں اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے بلکہ سارے محلّہ کو اور سارے احمدیوں کو چوکس اور بیدار ہو کر اس سستی کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

خدا کا فضل ہے کہ جماعت کا بڑا حصہ روح اخلاص رکھتا ہے لیکن بشری کمزوریوں کی وجہ سے وہ اس بات کا بھی محتاج ہے کہ اسے بار بار یاد دہانی کرائی جائے۔ الٰہی سلسلوں میں بعض منافق بھی ہوتے ہیں ان میں سے بہتوں کو تو اللہ تعالیٰ ہدایت بھی دے دیتا ہے اور بعض بدقسمت اسی نفاق کی حالت میں اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں لیکن ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ان کی ہدایت کی کوشش کرتے رہیں اور ان کے لئے

دعا بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی اپنے فضل کو پہچاننے کی توفیق دے اور اس فضل کے حصول کے لئے ان کے اندر ایک جنون پیدا کرے تا وہ اپنی ہر چیز کو قربان کر کے خدا تعالیٰ کے فضل کو حاصل کرنے والے ہوں۔ پس یہ درست ہے کہ جماعت میں بعض منافق بھی موجود ہیں جن کی ہدایت کیلئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے لیکن جماعت کے اکثر افراد ہر لحاظ سے اچھے ہیں اعتقاد کے لحاظ سے بھی اور عمل کے لحاظ سے بھی۔ وہ نمازوں سے بھی محبت اور پیار رکھتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے گھر میں اٹکے رہتے ہیں گو اخلاص میں کمی نہیں لیکن ایک حصہ جماعت کا سست ہے۔ زندگی میں انسان کو ایک عظیم جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور اسی حصہ جماعت کے افراد اپنی اس جدوجہد اور اس مجاہدہ کے ابتدائی دور میں ہوتے ہیں ان کو اپنے بھائیوں کے سہارے اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ضرورت تھی تبھی تو خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى اگر کسی انسان کو اپنے بھائی کے سہارے، تعاون اور مدد کی ضرورت نہ ہوتی تو اس حکم کی بھی ضرورت نہ تھی۔ یہ حکم ہمیں بتا رہا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں روحانی ارتقاء کے مدارج طے کرتے ہوئے دوسروں کے سہاروں کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور یہ سہارا دینا آپ کا فرض ہے۔ اس کے بغیر سست فرد کی سستی دُور نہیں ہوسکتی۔ اس کے بغیر غافل غفلت کے پردوں کو چیر کر نورانی فضا میں داخل نہیں ہوسکتا۔ پس اپنے کمزور بھائیوں کو سہارا دیا کریں۔

پچھلے دنوں مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے ایک محلّہ کے دکاندار نماز باجماعت کی ادائیگی میں سستی دکھاتے ہیں تو میں نے انہیں بُلا کر اس طرف توجہ دلائی اور بعد میں رپورٹیں آنے لگ گئیں کہ اذان ہونے کے بعد فوراً دکانیں بند ہو جاتی ہیں اور دکاندار مسجد میں چلے جاتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا ان میں پھر سستی پیدا ہوگئی ہے اور انہیں دوبارہ یاددہانی کرانے کی ضرورت پڑی ہے یا بعض نوجوان طالب علم ہیں جن کے متعلق یہ شکایت پیدا ہوئی ہے نوجوانوں کو سہارا کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے جس طرح ایک چھوٹا بچہ جب اپنی جسمانی نشوونما میں چلنے کے مرحلہ پر پہنچتا ہے تو شروع میں اس کی انگلی پکڑنی پڑتی ہے وہ بار بار گرتا ہے اور بار بار اسے سنبھالنا پڑتا ہے۔ اسی طرح روحانی ارتقا میں بھی نوجوان (اور بعض دفعہ بڑی عمر کے لوگ بھی) ایک ایسے مقام سے گزرتے ہیں کہ انہیں زیادہ سہارا کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس مقام سے گزرنے کے بعد وہ روحانی راستہ پر چھلانگیں مارتے ہوئے آگے سے آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں لیکن ایک وقت ان کی زندگی میں ایسا بھی آتا ہے کہ ان کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور ان

کی انگلی ہمیں پکڑنی پڑتی ہے اس کے بغیر وہ روحانی میدانوں میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔

اہل ربوہ کو ایسے موقعوں پر فوراً چوکنا اور بیدار ہو جانا چاہئے اگر مساجد میں آبادی کم نظر آئے تو اس کی وجہ کا علم ہونا چاہئے اور اس نقص کو دُور کرنا چاہئے۔ ایک نقص یہ بھی ہے کہ ذمہ دار افسر سمجھتے ہیں کہ دو چار ہفتے رپورٹ دے دینا کافی ہے اور اس کے بعد وہ رپورٹ دینا بند کر دیتے ہیں۔ ہمارے مقامی انتظام میں جو منتظم ہیں اور صدر عمومی کہلاتے ہیں ان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر دو ہفتہ بعد صدر صاحبان کے مشورہ سے ایک رپورٹ دیا کریں کہ کہاں سستی ہے اور کہاں چستی ہے۔ مجھے بہر حال اطلاع ملنی چاہئے کہ ربوہ کے مکین دینی کاموں میں کس رفتار کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں کیونکہ اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ڈالی ہے اور یہ بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔

اس پندرہ روزہ رپورٹ کے علاوہ ربوہ سے متعلق ایک رپورٹ نظارت امور عامہ کی طرف سے آنی چاہئے ایک رپورٹ نظارت اصلاح وارشاد کی طرف سے آنی چاہئے اور یہ رپورٹیں دونوں نظارتوں کے اپنے اپنے کاموں کے لحاظ سے ہوں۔ مثلاً نظارت اُمورِ عامہ کی طرف سے یہ رپورٹ آنی چاہئے یا یوں کہیں کہ ان کی رپورٹ میں یہ بھی ہونا چاہئے کہ اس مہینہ میں کتنے لوگ ایسے ربوہ میں رہائش پذیر ہوئے ہیں جن کا جماعت احمدیہ سے تعلق نہیں۔ پھر ایسے جو لوگ پہلے سے یہاں رہتے ہیں ان کا کوئی کام ایسا تو نہیں جو ہماری روحانی و اخلاقی فضا کو خراب کرنے والا ہو۔ ایسے بہت سے خاندان ہیں جو گو جماعت میں شامل نہیں لیکن ہم سے بہت تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ہم سے دُنیوی تعلقات ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے بچہ کو چیفس کالج میں بھی داخل کر سکتے ہیں لیکن وہ یہاں آجاتے ہیں اور اپنے بچوں کو ہمارے سکول اور کالج میں داخل کراتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کو رہائش کے لئے مکان بھی کرایہ پر لینا پڑتا ہے۔ ان کا جماعت کے دوستوں کے ساتھ ظاہری اور دنیا دارانہ تعلق بڑا اچھا ہوتا ہے اور جماعتی تنظیم کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن ان کی اور خصوصاً ان کے نوکروں کی تربیت اس تربیت سے مختلف ہوتی ہے جو عام طور پر ایک احمدی کی ہوتی ہے۔ پھر جماعت میں بھی نئے آدمی داخل ہوتے ہیں اور ان کی تربیت پر ایک وقت لگتا ہے گو ایسے دوستوں کے احمدی ہونے پر ۵۔۶ مہینے بھی گزر جائیں تو ان کی ذہنیت بڑی حد تک بدل جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر فضل کرتا ہے لیکن پھر بھی ان لوگوں کی تربیت ایسی نہیں ہوتی جو ایک پُرانے تربیت یافتہ احمدی کی ہوتی ہے پھر وہ جان بوجھ کر نہیں اپنی عادت

سے مجبور ہو کر اور عدمِ تربیت کے نتیجہ میں بہت سی ایسی باتیں کر جاتے ہیں جنہیں ہم پسند نہیں کرتے اور جن کے نتیجہ میں ربوہ کی با اخلاق فضا پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔

یہ درست ہے کہ جماعت سے باہر کے خاندانوں کے تعلقات ہمیں اچھے لگتے ہیں اور دنیوی لحاظ سے جتنا ان کو ہم سے تعلق ہے اس سے کہیں زیادہ ہمارا ان کے ساتھ تعلق ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت میں رخنہ پڑے جو احمدیت اور احمدیت کی تربیت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے یعنی اچھا امن پسند شہری ہونا اور مہذب اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والا مسلمان ہونا ہمیں ہر وقت چوکس رہ کر ان چیزوں کو اپنی نظر کے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے اس کے بغیر ہماری فضا مکدر ہو جاتی ہے۔ ربوہ کے متعلق نظارت امور عامہ کی رپورٹ مستقل حیثیت میں آنی چاہئے اور آپس میں مشورہ کر کے نہیں آنی چاہئے تا کہ میں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکوں اگر آپس میں تضاد ہو تو پھر میں تحقیق کے ذریعہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہوں۔

ہم نے اس شہر کو قادیان کی یاد میں آباد کیا ہے اور قادیان میں باوجود اس کے کہ وہاں ہندو، سکھ اور دہریہ وغیرہ لوگ بھی رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے وہاں ایک خاص رنگ جماعتی ماحول میں پیدا کر دیا تھا۔ یہاں نہ ہندو ہیں اور نہ سکھ ہمارے رستہ میں کوئی روک نہیں لیکن پھر بھی محبتِ الٰہی کا وہ رنگ پوری طرح ہمیں نظر نہیں آتا جو قادیان میں نظر آتا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے (اور یہ بڑی نمایاں وجہ ہے) کہ اس عرصہ میں ہزاروں کی تعداد میں جماعت میں نئے دوست شامل ہوئے ہیں۔ ان کے بچے ہمارے نقطہ نگاہ سے زیادہ تربیت یافتہ نہ تھے۔ ان کے دل میں تربیت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور وہ ربوہ میں آباد ہو گئے اور انہوں نے بچوں کو یہاں سکولوں میں داخل کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض بچے ہمارے ماحول کو خراب کرتے ہیں۔ بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ دیہات سے چار، پانچ بچے آ جائیں تو جس محلّہ میں وہ رہیں وہاں سے شکایتیں آنی شروع ہو جاتی ہیں کہ بچے گالیاں دیتے ہیں۔ باہر سے جو آدمی آئے اسے پس منظر کا پتہ نہیں ہوتا اس لئے وہ کہہ دیتا ہے کہ ربوہ میں تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ میں فلاں جگہ سے گزر رہا تھا میں نے دیکھا دو تین بچے ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ دو تین بچے ایسے نئے احمدی خاندانوں کے بچے ہیں جو ابھی مہینہ دو مہینہ ہوئے یہاں آباد ہوئے تھے لیکن صرف یہ کہہ دینا موجب تسلی نہیں کیونکہ اگر ہم نے ان کی تربیت نہ کی تو دو چار

مہینے کے بعد وہ ہماری فضا کو خراب کر دیں گے اور یہاں کے رہنے والے بچوں کو بھی انہیں دیکھ کر گندی گالیاں دینے کی عادت پڑ جائے گی اور بجائے اس کے کہ وہ یہاں آ کر تربیت حاصل کریں وہ ہمارے دوسرے بچوں کی تربیت بھی خراب کر دیں گے اس لئے ہمیں ہر وقت چوکنا اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔

پھر نظارت اصلاح و ارشاد کا تربیت کا کام ہے ان کی طرف سے بھی رپورٹ آنی چاہئے کہ اہل ربوہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ تفسیر اور دوسرا اسلامی لٹریچر پڑھنے اور خطبات سننے کی طرف متوجہ ہیں جہاں تک خطبات کا سوال ہے آج بھی اگر آپ مردم شماری کریں تو ایک حصہ افراد جماعت کا اس وقت یہاں موجود نہیں گو ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کا عذر جائز ہے اور ان پر کوئی الزام نہیں آتا مگر بعض ایسے بھی ہیں جو محض سستی کی وجہ سے جمعہ کے لئے نہیں آئے ورنہ وہ آ سکتے تھے اور جن کے کانوں میں خلیفہ وقت کی آواز نہیں پہنچتی یا کم پہنچتی ہے وہ تربیتی اُمور کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو سکتے۔ ہمارا کام ہے کہ کوشش کریں تا وہ لوگ جو خطبات سننے سے محروم ہو جاتے ہیں وہ بھی خطبات سن لیا کریں۔

بہر حال ساری تفصیل کے بعد آج میں جس چیز کی طرف جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور جس پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ نماز با جماعت میں باقاعدگی پیدا کی جائے اور اس کے لئے بشاشت پیدا کی جائے پھر مسجد کے ماحول سے محبت پیدا کرنا ضروری ہے اور اس کی طرف ساری جماعت کو انصار اللہ کو بھی خدام الاحمدیہ کو اور جماعت کی تنظیم کو بھی متوجہ ہونا چاہئے اور جماعتی تنظیم کا یعنی جو تنظیم یہاں مقامی طور پر قائم ہے فرض ہے کہ ہر پندرہ روز کے بعد مجھے ایک رپورٹ دیا کریں تا مہینہ ڈیڑھ مہینہ کا وقفہ سستی میں گزرنے کے بعد مجھے صرف مخلصین کی رپورٹوں سے ہی علم نہ ہو کہ کوئی سستی واقع ہوگئی ہے بلکہ تنظیم کی طرف سے بھی اس کا علم ہو جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہاں رہنے والوں کی اکثریت مخلصین کی ہے اگر کوئی سستی پیدا ہو جائے تو شروع میں ہی اس سستی کو دور کیا جا سکتا ہے۔

دوسری بات میں فضل عمر فاؤنڈیشن کے متعلق کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک پیارے کے احسانوں کے بندھنوں میں بندھے ہونے کی بناء پر اور اس کی حسین یاد میں ہم نے جماعت میں فضل عمر فاؤنڈیشن قائم کی تھی اس کے لئے دوستوں نے رقوم کی ادائیگی کے لئے وعدے کئے اور رقوم ادا کرنی شروع کیں اور یہ فیصلہ ہوا کہ تین سال کے اندر اندر تمام وعدے پورے ہو جائیں تا وہ مقصد جلد پورا ہو

جس کے حصول کے لئے ہم نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں ان رقموں کو پیش کیا ہے فضل عمر فاؤنڈیشن کیا کام کرے گی؟ انہوں نے بعض کام تجویز کئے ہیں جو وہ اپنے محدود دائرہ میں کریں گے۔ ان کے کام جماعت کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ ایک تو وہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی یاد میں ایک لائبریری کی عمارت بنانا چاہتے ہیں اور انشاء اللہ اللہ توفیق دے گا تو صدر انجمن احمدیہ اس ظاہری جسم کو جو فضل عمر فاؤنڈیشن کی طرف سے تیار ہوگا۔ کتابوں، علوم کے خزانوں اور ان علوم کے خزانوں سے فائدہ اُٹھانے والوں سے بھر دے گی، پھر اس میں روح بھی آ جائے گی اور اس کا اچھا نتیجہ نکلے گا۔ پھر تحقیقی مضامین لکھوانا ہے اور ان کی اشاعت کا انتظام کرنا ہے۔ مجھے اس وقت ان کاموں کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں جس چیز کو میں اس وقت خاص طور پر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تین سال بس گزرا ہی چاہتے ہیں۔ ۳۰؍جون کو وصولیوں کے کھاتے بند کر دیئے جائیں اور سوائے استثنائی حالات کے کسی کو یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ کوئی رقم اس فنڈ میں دے کیونکہ اصل چیز روپیہ نہیں، اصل چیز لائبریری کی عمارت نہیں جو اینٹوں، سیمنٹ اور لوہے سے تیار کی جائے گی۔ وہ تو کوئی ایسی یادگار نہیں اصل یادگار یہ ہے کہ اس روح کو زندہ رکھا جائے جو روح ہمیں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی زندگی میں نظر آتی تھی۔ ہمیں آپ کی زندگی میں یہ روح نظر آتی تھی کہ آپ نے اپنے دن رات اللہ کے نام کی عظمت کو قائم کرنے کیلئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احسانات کی اشاعت کے لئے گزارے جو آپ نے بنی نوع انسان پر کئے۔ آپ کا ہر لحہ خدا اور اس کے رسول کے لئے وقف تھا۔ اگر ہمیں آپ سے محبت ہے، اگر ہمیں آپ سے پیار کا تعلق ہے تو ہم میں سے ہر شخص اپنے نفس میں اور اپنی نسل میں یہ یادگار قائم کرے گا کہ ہمارے اوقات بھی خدا کی عظمت کو قائم کرنے کے جذبات سے معمور ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور احترام کے قیام کے لئے بھی ہمہ وقت کوشش اور جدوجہد سے بھرے ہوئے ہوں۔ ایک مومن کی اصل نشانی تو یہی ہے لیکن چونکہ یہ مادی اور ظاہری اسباب کی دنیا ہے اس میں ظاہری سامان بھی استعمال کئے جاتے ہیں اس لئے بعض ظاہری علامات کے طور پر ہم نے بعض کام کرنے کا پروگرام بنایا ہے اور اس کے لئے ہم نے بہت سے وعدے اور عطایا لکھوائے ہیں۔ ان کی ادائیگی ۳۰؍جون سے پہلے ہو جانی چاہئے اب صرف قریباً ڈیڑھ ماہ باقی رہ گیا ہے۔ جن دوستوں نے ابھی تک اپنے وعدوں کی رقوم کو ادا نہیں کیا وہ اس طرف متوجہ ہوں کیونکہ

۳۰؍جون کو جیسا کہ میں نے بتایا ہے سوائے استثنائی حالات کے وصولیوں کے کھاتے بند کر دیئے جائیں گے اور استثنائی حالات جیسا کہ آپ جانتے ہیں سَو دو سَو یا ہزار میں ایک آدھ فرد کے ہوتے ہیں۔ یہ وہم نہ رہے کہ کسی کی غفلت یا سستی استثنائی حالات پیدا کر دے گی۔ غفلتیں اور سستیاں استثنائی رعایتوں کا مستحق نہیں بنایا کرتیں۔ ہاں شاید وہ بعض افراد کو استثنائی سزاؤں کا مستحق بنا دیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور خدا تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کہ تمہارے وعدہ کے متعلق تم سے جواب طلبی کی جائے گی۔ خدا سے ڈرتے ڈرتے اپنے وعدوں کی ادائیگی کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ جیسا کہ میں نے بتایا تھا اگر ایک شخص کے حالات حقیقتاً اس طرح بدل گئے ہیں کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی اس پر کوئی الزام نہیں اور ہمارے دلوں میں بھی اس کے خلاف کوئی شکوہ نہیں لیکن جو لوگ سستی کے پردوں کے پیچھے پناہ لینا چاہتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ سستیوں کے پردے دنیا کی آنکھ سے بعض چیزوں کو اوجھل کر دیں تو کر دیں خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے نہیں بچا سکتے۔

تیسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ زیادہ مستعدی سے اپنے پروگراموں کی طرف متوجہ ہوں اور بحیثیت مجلس اپنے اندر ایک فعال زندگی پیدا کریں۔ ہر دو مجالس کا ایک حصہ بڑا ہی اچھا کام کر رہا ہے اور قابلِ رشک ہے۔ اگر خدام الاحمدیہ ہیں تو وہ انصار اللہ کے لئے قابل رشک ہیں اور انصار ہیں تو جماعت کے لئے قابل رشک ہیں۔ خدا کے لئے فدا ہونے والی اور اپنے نفسوں اور اموال کو فدا کرنے والی زندگیاں ہیں جو وہ گزار رہے ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جو دنیا کے غلط اصول کے مطابق تینتیس فیصد کام کر کے کامیاب ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں گناہوں کی معافی کا وعدہ تو دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن قرآن کریم میں ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ لوگ جن کی بدیاں اور جن کے گناہ ان کی نیکیوں اور اعمال صالحہ کا احاطہ کر لیں گے انہیں بہرحال جہنم کی تکلیف میں سے گزرنا پڑے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ معاف کرنا چاہے تو یہ اس کی شان اور قدرت ہے وہ اس کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور ہمارے دلوں میں اپنی محبت اور عظمت کو اس طرح بھی قائم کرتا ہے لیکن اس نے ایک عام اصول یہ بنایا ہے کہ اگر گناہ اور بدیاں نیکیوں اور اعمال صالحہ کو اپنے احاطہ میں لے لیں تو جہنم کی تکلیف میں سے گزرنا پڑے گا۔ اگر آپ جیومیٹری کی ایک شکل کے ذریعہ اس احاطہ کو سمجھنے کی کوشش کریں تو جو دائرہ دوسرے کو اپنے اندر احاطہ کئے ہوئے ہے وہ قریباً ۵۵

فیصد بنتا ہے۔ پس اگر سَو میں سے ۴۵ نیکیاں ہوں اور ۵۵ بداعمالیاں ہوں تو بداعمالیوں کی سزا سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں کیونکہ بداعمالیوں نے سارے راستے بند کر دئے۔ انہوں نے ایک ایسا چکر ڈال لیا ہے کہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ لیکن اگر ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ نیکیاں پچاس فیصد سے زائد ہوں تو پھر اگر بدیاں احاطہ کرنے کی کوشش کریں تو وہ احاطہ کر نہیں سکیں گی کیونکہ ایک دروازہ کھلا رہ جاتا ہے اور وہ نجات کا دروازہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فضل کرتا ہے اور وہاں سے اپنے بندے کو اپنے احسان سے نکال لیتا ہے۔ اس گرفت سے اسے چھڑا لیتا ہے جو اس کی بدیوں نے اس کے گرد احاطہ کر کے کی ہوئی ہوتی ہے غرض اس دنیا کے غلط اصول کے مطابق تو ایک نوجوان تینتیس فیصد نمبر لے کر کامیاب ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو قانون قرآن کریم میں وضع کیا ہے وہ یہ ہے کہ پاس ہونے کے لئے کم از کم پچپن فیصد نمبروں کی ضرورت ہے استثنائی صورت اس کے علاوہ ہے۔ خدا تعالیٰ کسی پر رحمت کرنا چاہے تو وہ اور بات ہے۔ اس کی رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ پس نیکیوں کا پلڑا بدیوں اور کوتاہیوں اور غفلتوں کے پلڑے پر غالب اور وزنی رہنا چاہئے۔ نیکیوں کا دائرہ بدیوں کے دائرہ سے بڑا ہونا چاہئے ورنہ نجات کی راہ عام اصول کے مطابق بند ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی خاص قدرتوں کی تجلیات کا تو ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ویسے بھی فضل ہی کرتا ہے لیکن عام اصول کے مطابق اگر بدیاں اس طرح پھیلی ہوئی ہوں کہ باہر نکلنے کا راستہ تنگ ہو تو پھر نیکیوں کے باوجود انسان ہلاکت میں چلا جاتا ہے۔ نیکیوں کی توفیق بھی فضل الٰہی سے ہی ملتی ہے۔ اسی واسطے اسلام نے یہ کہا ہے کہ نجات خدا کے فضل کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے۔

خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کو صرف اس بات سے خوش نہیں ہو جانا چاہئے کہ انہوں نے ۳۰ فیصد یا ۴۰ فیصد نمبر لے لئے ہیں۔ خدمت بنی نوع انسان کی اس تنظیم کو تو سَو فیصد سے کم نمبروں پر خوش ہونا ہی نہیں چاہئے۔ انسان چونکہ فطرتاً کمزور ہے اس لئے ہم دس پندرہ فیصدی کا چھوٹا سا مارجن (Margin) رکھ لیتے ہیں یعنی اگر پچاسی یا نوے فیصد کامیابی نہ ہو تو وہ کوئی کامیابی نہیں ہے۔ ان دونوں تنظیموں کو یاد رکھنا چاہئے کہ انصار اللہ کی تنظیم میں تربیت اور حصول قربِ الٰہی پر زور دیا گیا ہے اور خدام الاحمدیہ کے پروگرام میں خدمت بنی نوع انسان اور حصول قرب الٰہی پر زیادہ زور ہے۔ اگر آپ سوچیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اگر یہ خدمت کی روح غائب ہو جائے تو انسانی اقدار قائم نہیں ہو سکتیں اور اگر انسانی اقدار قائم نہ ہوں تو روحانی ترقیات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ روحانی ترقیات کے لئے جتنی

ہدایتیں اور شریعتیں نازل کی گئی ہیں وہ انسان پر نازل کی گئی ہیں وہ گدھے یا گھوڑے یا بیل یا دوسرے جانوروں پر نازل نہیں کی گئیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ شرعی تقاضوں کو پورا کر کے روحانی رفعتوں کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان میں انسانی اقدار قائم ہوں۔ اگر انسان انسانی اقدار کو قائم نہیں کرتا تو روحانی ارتقاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب کسی سلسلہ میں یا کسی قوم میں یا بحیثیت مجموعی بنی نوع انسان میں روح خدمت نہ ہو اس وقت تک اس سلسلہ یا اس قوم یا بحیثیت مجموعی بنی نوع انسان میں انسانی اقدار قائم نہیں ہوسکتیں۔ اگر ہم انسانی اقدار کو قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں خدمت کی روح کو زندہ کرنا پڑے گا اور اس خدمت کی زندہ روح کو لے کر کام کے میدان میں سرگرم عمل رہنا خدام الاحمدیہ کا ضروری پروگرام ہے۔ خدام الاحمدیہ اس نکتہ کو سمجھتے ہوئے اس کام میں لگ جائیں کیونکہ خدمت اسلام و احمدیت تقاضا کرتی ہے خدمت انسان کا۔ جو شخص انسان کی خدمت نہیں کرتا وہ احمدیت کی خدمت نہیں کرتا۔ احمدیت اور اسلام ایک ہی چیز ہیں اور اسلام نے بنی نوع انسان کی بحیثیت بنی نوع انسان خدمت کی ہے۔ وہ ایک مسلمان کو بُلاتا ہے اور کہتا ہے تم نے انسان کی خدمت کرنی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک دہریہ جو مجھ کو گالیاں دیتا ہے (تم نے اس کے حقوق کو بھی تلف نہیں کرنا) اس کے حقوق کی بھی تم نے حفاظت کرنی ہے تب یہ امید ہوسکتی ہے کہ وہ کسی وقت اپنے پیدا کرنے والے ربّ کی طرف رجوع کرے۔ اگر تم اس کے حقوق تلف کرو گے تو وہ کون سی ایجنسی دنیا میں دیکھے گا جو یہ ثابت کرے گی کہ پیدا کرنے والے ربّ کی ربوبیت سے کوئی انسان باہر نہیں۔

پس خدام الاحمدیہ کا کام ہے انسان کی خدمت، اس کے بغیر نہ اسلام کی خدمت ہوسکتی ہے اور نہ خدا تعالیٰ کے احکامِ عبادت کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ آپ اس خدمت کے جذبہ کو، اس خدمت کی روح کو زندہ رکھ کر کام کریں اور دنیا کو خدا کے نام پر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ماتحت اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور کریں کہ واقعی مسلمان بنی نوع انسان کا خادم ہوتا ہے۔ اگر آپ اسلام کے خادم ہونے کی حیثیت میں بنی نوع انسان کو یہ تسلیم کروا دیں کہ اسلام کا خادم بنی نوع انسان کا خادم ہوتا ہے تب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احسانوں کو سمجھنے لگیں گے جو واقعۃً آپ نے ان پر کئے ہیں اور جن کو وہ اس وقت سمجھتے نہیں اور جس کے بغیر محبت اور پیار کا وہ تعلق قائم نہیں ہوسکتا جو بنی نوع انسان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا چاہئے۔ پس خدام الاحمدیہ روحِ خدمت کے ماتحت

اپنے پروگراموں پر عمل کریں اور انصار اللہ روحِ تربیت کو زندہ رکھتے ہوئے اپنے پروگرام پر عمل کریں۔

روحِ تربیت بھی روحِ خدمت ہی ہے صرف اس کی شکل بدلی ہوئی ہے۔ اس لئے ہر دو تنظیمیں اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت میں لگ جائیں اور لگی رہیں کہ اپنے نفسوں کا بھی خیال رکھیں، اپنے رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کا بھی خیال رکھیں، پھر یہ دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے یہاں تک کہ وہ تمام بنی نوع انسان کو اپنے اندر سمیٹ لے اور خدا کے نام پر اسلام کی اشاعت میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بنی نوع انسان کے دل میں پیدا کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو ہر وقت تیار رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریوں کے نبھانے کی توفیق عطا کرے۔ اہل ربوہ کو نماز باجماعت ادا کرنے کی توفیق عطا کرے اور ذمہ دار دوستوں کو ان کی نگرانی کی توفیق عطا کرے۔ فضل عمر فاؤنڈیشن میں جماعت کے دوستوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو وعدے لکھوائے ہیں وہ ان کی ادائیگی کر دیں تا وہ بہترین جزا کے وارث بنیں۔ انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ تکبر اور ریاء کے بغیر اپنے اپنے پروگرام اور دائرہ کے اندر بے نفس اور بے لوث خدمت کرنے والے ہوں کہ اللہ کی توفیق سے ہی سب نیکیوں کی توفیق عطا ہوتی ہے اور اللہ کے فضلوں سے ہی نیکیوں اور اعمال صالحہ کے نیک انجام نکلتے ہیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴؍مئی ۱۹۶۹ء صفحہ ۳ تا ۷)

☆.....☆.....☆